حالی - بارگاہِ رسالتؐ میں

ڈاکٹر ایوب ندیم

Abstract:

The poem " Arz-e-Hal" by Altaf Hussian Hali is an expansion of " Musaddas-e-Hali", but its form is different to the Musaddas. This poem describes the story and feelings about ups and down of the Muslim Umma. Hali was so anxious about the Muslims of Subcontinent, which led him to the august doorstep of the Holy Prophet (P.B.U.H). He Expresses his spiritual and social feelings regarding Muslim Umma and beseeches to the Holy Prophet (P.B.U.H) to have a kind look. This poem presents the doomed situation of the Muslims after 1857 with the qualities of "Naat" and appeal. According to Hali, Main Purpose of Poetry is more important than characteristics of Poetry. In this regard, the analysis of this poem is of paramount importance.

الطاف حسین حالی کی نظم ''عرضِ حال بہ جناب سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات'' غزل کی ہیئت میں ترکیب بند ہے، جو تریسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نظم میں حالی کا نمایاں اسلوب تو استغاثہ کا ہے، لیکن در حقیقت یہ نظم: نعت، شہر آشوب اور استغاثہ کے ملے جُلے اوصاف سے متصف ہے، جس کے آخری اشعار شکوہ کی حدوں کو چھونے لگتے ہیں۔

عزت کی بہت دیکھ لیں دنیا میں بہاریں
اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلت میں مزا ہے
ہاں حالی گستاخ نہ بڑھ حد ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلہ ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
یاں جنبشِ لب خارج از آہنگ خطا ہے (۱)

موضوع کے اعتبار سے حالی کی یہ نظم **مسدسِ حالی** کی توسیع ہے، لیکن ہیئت کے لحاظ سے قطعی مختلف۔ حالی کی نگاہ بصیرت یہ جان چکی تھی کہ برصغیر کے بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے تناظر میں اب ادب برائے زندگی کے تصور کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ وہ نہ تو ادب یا شاعری کو محض آئینہ سمجھتے تھے اور نہ ہی فقط راستے کا چراغ، بل کہ اُن کے خیال میں ادب یا شاعری کی صحیح تعریف یہ تھی کہ اُسے معاشرے کا آئینہ بھی ہونا چاہیے اور منزل کا راستہ دکھانے والا چراغ بھی۔ وہ اپنے زمانے کے حالات کا عکس بھی پیش کرے اور عوام الناس کی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دے۔ ''مسدس'' کے پہلے دیباچے میں انھوں نے اِسے ''آئینہ خانہ'' سے تعبیر کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''(مسدس کو) قوم کے لیے اپنے بے ہنر ہاتھوں سے ایک آئینہ خانہ بنایا ہے، جس میں آ کر وہ اپنے خط و خال دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے ہیں؟'' (۲)

''مسدس'' پہلی بار ۱۲۹۶ھ بہ مطابق ۱۸۷۹ء میں چھپا۔ جس میں حالی نے مسلمانوں کو اُن کا عظیم الشان ماضی یاد دلاتے ہوئے ان کے زوال کو موضوع بنایا۔ بل کہ اُن کے زوال کا نوحہ لکھا۔ حالی کو **مسدس مدوجزر اسلام** لکھنے کی ترغیب سرسید احمد خان نے دی۔ اس کا اعتراف انھوں نے خود کیا ہے۔ (۳) سرسید جانتے تھے کہ حالی اولاً شاعر ہیں اور بعد میں نثر نگار۔ لہٰذا اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کا زیادہ بہتر اظہار شاعری میں ہی کر سکتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے حالی ایک روایتی غزل گو تھے، لیکن اس قومی سانحہ کے بعد وہ قومی مرثیہ نگاری کی طرف مائل ہو گئے۔ سرسید کی ترغیب کا تعلق اس بات سے تھا کہ اگر مسلمانوں کی حالت زار نظم میں بیان کی جائے تو مفید ہو گی۔ مسلمانوں کی تباہی اور بربادی پر تو حالی کا دل پہلے ہی نوحہ کناں تھا۔ وہ اُنھیں اُن کا بُھولا ہوا سبق یاد دلانا چاہتے تھے، تاکہ مسلمان اپنی عظمت رفتہ کو یاد کریں اور پھر اپنی موجودہ پستی کو دیکھیں، ہوسکتا ہے کہ اس طرح اُن میں اپنی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کا احساس بیدار ہو جائے۔

''مسدس'' کی پہلی اشاعت کے بعد حالی نے اس کے بندوں میں اضافہ کرتے ہوئے اس کا ضمیمہ لکھا۔ ضمیمہ کی تصنیف کا ایک سبب تو یہ تھا کہ مسدس کا اختتام نا اُمیدی اور دل شکنی پر ہوا تھا، جو مری ہوئی قوم کو مزید مارنے کے مترادف تھا۔ اس ضمن میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

شاعر کو خود بھی خیال ہوا اور دوسرے اصحاب نظر کے کہنے سے بھی معلوم ہوا کہ کسی ایسی کتاب کا جو قوم کو عزت دلانے اور اُس کے احساسِ عمل کو جگانے کے لیے لکھی گئی ہو، ایسے دل شکن اور روح فرسا اشعار پر ختم کرنا ہمیشہ کے لیے اُمیدوں کو منقطع اور اس کے حوصلوں کو پست کر دیتا ہے۔ چنانچہ چھ برس کے بعد ۱۳۰۳ھ میں شاعر نے اس کا ضمیمہ لکھا۔ (۴)

لیکن اس کا دوسرا اہم محرک تھا: مسدس کی پہلی اشاعت اور حالی کے احساس میں تبدیلی۔ انھوں نے مسدس

کی بے پناہ مقبولیت سے محسوس کر لیا تھا کہ قوم کے تیور بدل رہے ہیں، اب انھیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ چناں چہ حالی نے اُن کے لیے اُمید کا ایسا چراغ روشن کیا، جو اُنھیں اُن کی منزل کا پتا دیتا تھا۔

حالی قوم کی حالت زار پر بے قرار تھے۔ یہی بے قراری پہلے مسدس، پھر اُس کے ضمیمے، اور پھر ایسی نظموں کی تخلیق کا باعث بنی، جن میں ''عرض حال'' کو فوقیت حاصل ہے۔ اگر چہ انھوں نے اپنی مثنویوں، مراثی اور شکوہ ہند، مناجاتِ بیوہ اور چُپ کی داد، ایسی نظموں کا رشتہ بھی مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان کے ساتھ اُستوار کیا، لیکن ''عرض حال بہ جناب سرورِ کائناتؐ'' اُن کی ایک ایسی طویل نظم ہے، جو حالی اور مسلمانوں کے اضطراب کو کسی حد تک کم کرنے کا باعث بنی۔ ''مسدس'' میں مسلمانوں کی پستی، کاہلی اور تنزل کو موضوع بنانے کے بعد ضمیمہ میں انھوں نے مسلمانوں کو اُمید اور رجائیت کی راہ تو دکھائی تھی، لیکن اُن کی دگرگوں حالت بدلنے کے لیے اُنھیں جس سہارے کی تلاش تھی، وہ حالی کی نظر میں رسالت مآبؐ کی ذات پاک کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ چناں چہ وہ مسلمانوں کی تباہی کی فریاد لے کر دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوتے ہیں:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے (۵)

اس نظم میں حالی کا موضوع کم و بیش وہی ہے، جو مسدس کا ہے۔ یعنی مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے ساتھ ساتھ اُن کی موجودہ حالتِ زار کا بیان۔ مسدس کا آغاز انھوں نے بعثت رسولؐ سے قبل خطِ عرب کے حالات سے کیا ہے، جو جہالت، بت پرستی، تعصب، کینہ پروری اور ظلم و جبر سے عبارت تھے۔ نبی اکرمؐ کی آمد کے بعد وہی خطِ عرب علم و حکمت، توحید، امن، رواداری اور محبت و اخوت کا گہوارہ بن گیا۔ پھر حالی نے مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلایا کہ اُن کے عروج کے زمانے میں اُن کی سلطنت اسپین اور کوہِ ہمالیہ تک پھیلی ہوئی تھی، مگر اب وہ کاہلی، سستی، پستی، دین سے دُوری اور بے عملی کی وجہ سے قعرِ مذلت میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس طرح بین السطور انھوں نے مسلمانوں کو اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

''عرضِ حال'' میں وہ اُن مسائل کی نشان دہی کرتے ہیں، جو اُن کے عہد کے مسلمانوں کو درپیش تھے۔ وہ مسلمانوں کی شان و شوکت اور اُن کے زوال کو ایک ساتھ بیان کرتے ہیں۔ دین سے اُن کی مراد اہل دین یعنی مسلمان ہیں، جو کبھی اپنے وطن: سرزمین عرب سے بڑی شان سے نکلے تھے، مگر اب اُن کی حالت پردیسیوں جیسی ہے۔ حالی اس بات پر گریہ کناں ہیں کہ جو دین کبھی عالم کا نگہبان تھا، عظمت اور سربلندی کی علامت تھا، امن و محبت کا پیغام تھا، اخوت اور بھائی چارے کی پہچان تھا، آج مختلف اقوام اور گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے جن نظموں کو مسدس کے مضامین کا آئینہ دار قرار دیا، اُن میں یہ نظم خاص طور سے اہم ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''مسدس کے بعد بعض اور نظمیں ۔۔۔۔ جن میں مسلمانوں کی زمانہ گزشتہ کی عظمت اور زمانہ موجود کی پستی کا نہایت مؤثر الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے، اِسی رنگ میں لکھی گئیں۔ اِن نظموں سے اُن کی شہرت ایک ریفارمر اور خطیب کی ہوگئی وہ اپنے ہم مذہبوں کو اپنے پُر زور اور مؤثر الفاظ

کے ذریعہ سے ابھارتے تھے۔"(۶)

حالی کا یہ انداز شہر آشوب کا ہے۔ وہ اپنے عہد میں مسلمانوں کے مسائل کو اُجاگر کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال میں خود اُن کا اپنا کردار قابل توجہ ہے۔ وہ مسلمانوں میں دین سے دُوری، شرک، فرقہ بندی، فساد و انتشار، جہالت، بے عملی، بے حسی اور فقر و قناعت کے فقدان کو مسلمانوں کے زوال کا سبب سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان ان خرابیوں کو دور کریں۔ اُنھیں اس بات پر اپنے ہی ہم مذہبوں سے گلہ ہے کہ وہ حکمت اور دانائی سے منہ موڑ چکے ہیں۔ عالم بے عمل اور بے عقل ہیں، جاہل وحشی ہیں، اہل ثروت غرور میں مبتلا ہیں اور مفلسوں نے گداگری اختیار کر لی ہے۔ حال آں کہ مسلمان کی اصل شناخت یہ ہے کہ وہ ایک خدا پر ایمان رکھتا ہے، شمع رسالتؐ کا پروانہ ہے، علم و حکمت سے کام لیتا ہے، امن و آشتی کا پیامبر ہے اور فقر و استغنا اُس کا شیوہ ہے۔ پھر یہ قوم اپنی اصل تعلیمات اور اپنے اصل کردار کی طرف کیوں نہیں لوٹتی!

حالی اُمتِ مسلمہ کی خرابیوں کو آشکار کرنے کے بعد اُس سے یک سر مایوس نہیں ہوتے، بل کہ بارگاہ رسالتؐ میں اُمید کی شمع بھی روشن کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے (۷)

حالیؔ یاس و نا اُمیدی کی تاریکی میں اُمید کا دیا جلانے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ ایک طرف تو قوم کے مٹ جانے کے اندیشے کا اظہار کرتے ہیں، مگر دوسری جانب دربارِ رسالتؐ میں اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے پُر اُمید ہیں کہ حضور نبی کریمؐ کی ایک نگاہِ لطف سے قوم کی حالت بدل جائے گی۔ گویا مسلمانوں کے لیے یہ اُن کا پیغام بھی تھا کہ وہ اپنی پستی اور زوال کے اس دور میں نبیؐ آخر الزماں کی طرف رجوع کریں اور آپ کی تعلیمات کو اپنے کردار کا لازمی حصہ بنائیں۔ یہ اُن کے اُسی ادبی نقطہ نظر کا اظہار تھا، جس کے مطابق وہ ادب کو آئینۂ عصر اور چراغِ راہ سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر علی محمد خاں کے لفظوں میں: حالی نے شعر و ادب سے حقیقی زندگی کی ترجمانی کا کام لیا اور اِسے اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ (۸)

حالی کی اِس نظم میں نعت کا انداز بھی ہے۔ انھوں نے رسالت مآب کی خدمت میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے اُن سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار خلوص اور سادگی سے کیا ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو آپؐ کی سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں اور انسانیت پر آپ کے احسانات کو بھی موضوع سخن بنایا ہے، تاکہ اُن جذبات کا اظہار ہو سکے، جو ایک اُمتی کی حیثیت سے اُن کے دل میں ہیں۔ مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے:

(۱) ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے
وہ تیری محبت، تری عترت کی ولا ہے

(۲) جو خاک ترے در پہ ہے جا روب سے اُڑتی
وہ خاک ہمارے لیے داروئے شفا ہے

(۳) ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمھارے
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے (۹)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حالؔی اپنی قوم کے نمائندہ کے طور پر بارگاہ رسالتؐ میں طالب دُعا ہیں ۔'' ہمارے'' کا لفظ شاعر کی ذات نہیں ، پوری اُمت کی نمائندگی کرتا ہے ۔ اِسی طرح حالی کا استغاثہ بھی اجتماعی ہے ،وہ اپنی زوال پذیر قوم کے لیے حضورؐ کی چشمِ کرم کے طالب ہیں ۔ اِس کارِ خیر میں اُن کی آواز بہ حیثیت شاعر سب سے بلند تھی ، بلکہ جرس کارواں تھی ۔ وہ قافلے کے خوابیدہ لوگوں کو جگانے ،بکھرے ہوؤں کو جمع کرنے اور اُنھیں منزل کی طرف گامزن کرنے کے لیے صدا لگا رہے تھے ۔ اِس ضمن میں رام بابو سکسینہ رقم طراز ہیں:

قومی ہمدردی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔۔فرقہ وارانہ اختلافات سے وہ بالکل علیحدہ تھے ۔ اُن کا مطمع نظر بہت بلند تھا اور **لِمَ تَقُولُون مالا تفعلون** O کے وہ پورے عامل تھے۔ (۱۰)

زبان و بیان کی بات کی جائے تو '' مسدس'' اوراس انداز کی دیگر نظموں کی طرح اس نظم میں بھی حالؔی کا شعری اسلوب سہل ، بے تکلف ، سادہ اور فطری ہے ۔ وہ مبالغہ آرائی سے عموماً گریز کرتے ہیں ۔ دوراز کار تشبیہیں اور استعارے اُن کی ضرورت نہیں ۔ جس طرح وہ شاعری کے فرسودہ مضامین سے بیزار تھے ، اُسی طرح اسلوب میں بھی صنائع بدائع سے احتراض کرتے تھے۔ حالؔی خلوص پر یقین رکھتے ہیں اور قوم کا درد جس شدت سے محسوس کرتے ہیں ، اسی شدت کے ساتھ بیان کرتے چلے جاتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظم میں چند الفاظ ایسے ضرور ملیں گے ، جن کا تلفظ قائم نہیں رہ سکا یا جن کی ساخت قدرے بدل گئی ہے۔ ڈاکٹر علی محمد خاں کا مؤقف ہے:

انھوں (حالی) نے شعر کہنے کے اصول مقرر کیے ۔شعر کو سادہ ،حقیقت پسندانہ اور پُر تاثیر ہونا چاہیے ۔خواہ وہ لفظی یا معنوی آرائش سے عاری ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۱)

اس میں شک نہیں کہ حالی کو مقصدیت مقدم تھی ، اسلوب کی آرائش نہیں مگر ایسا بھی نہیں کہ اُن کی شاعری شعری لوازمات سے یکسر خالی ہو ۔ حالی بنیادی طور پر شاعر تھے اور شعری پیرائے سے پوری طرح واقف بھی ۔ وہ زبان و بیان کے کمالات سے نہ صرف آگاہ تھے ،بل کہ اُنھیں استعمال کرنے کا سلیقہ بھی جانتے تھے ۔ اُن کا دورِ غزل گوئی اِس بات پر دال ہے کہ وہ کلاسیکی غزل کے جملہ رموز وعلائم کے ماہر تھے ۔ ڈاکٹر ضیاء الحسن ، حالی کے دورِ اوّل کی غزلوں میں کلاسیکی غزل کے نظام علامات کی نشان دہی کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کرتے ہیں کہ اُن کے اُس دور کی غزل میں روایتی انداز بھی ہے اور نئی حسیت کا اظہار بھی ۔ (۱۲) چناں چہ '' عرضِ حال'' میں انھوں نے بعض عمدہ تشبیہات استعمال کی ہیں ۔وہ اُمت مسلمہ کے لیے چراغ ، بیڑہ اور قصر کی تشبیہات لائے ۔ اُمت کو ایک ایسے چراغ کی مانند قرار دیا، جس سے بزم جہاں روشن ہوئی ۔ ایسے بیڑے سے تعبیر کیا جو باد مخالف کے باوجود رواں دواں رہا اور ایسا قصر عالی شان کہا ،جس کا گنبد اقبال سر بہ فلک تھا ۔ پھر انھوں نے تلمیحات اور کنایوں سے بھی کام لیا ، جن سے کلام میں فصاحت پیدا ہوئی ،لیکن یہاں حالی کا مقصد حسن زبان و بیان نہیں تھا ۔ایسی نظموں میں

اُنھوں نے شاعری کی مروجہ زبان استعمال نہیں کی ۔ اس میں نہ تو نازک خیالی ہے اور نہ رنگین بیانی ، نہ مبالغہ آرائی ہے اور نہ تکلف کی چاشنی ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر حالی زبان و بیان کے مسائل میں الجھ جاتے ، تو اُن کا قومی درد اظہار اور اثر انگیزی کے اُس درجے پر فائز نہ ہوتا ، جس پر اب ہے ۔ اُن کی یہ نظم جہاں فخر ، غم اور اُمید کا ایک عمدہ امتزاج ہے ، وہاں جدید نعت گوئی میں بھی اساس کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ڈاکٹر تحسین فراقی حضورؐ کی سیرت نگاری ، عہد حاضر کے روحانی اور تہذیبی کرب کی گونج کہ جس نے بعض صورتوں میں شہر آشوب کی سی کیفیت پیدا کر دی ہو ، اجتماعی کرب اور گداز کے رنگ کو جدید نعت گوئی کا مابہ الامتیاز قرار دیتے ہیں ۔ (۱۳) اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حالی ہی وہ شاعر ہیں ، جنھوں نے حضورؐ سے محبت وعقیدت کے اظہار ، آپ کی سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں کے بیان اور آپ کی بارگاہ میں اپنی معروضات پیش کرنے کے انداز کو یک جا کیا اور اس طرح دینی ، قومی اور نعتیہ شاعری کو جدید طرزِ احساس کی دولت سے مالا مال کیا ۔

حوالہ وحواشی :

۱۔ الطاف حسین حالی ، **مسدس حالی** ، میر پور (آزاد کشمیر) ، ارسلان بکس ، س ن ، ص ۱۶۰

۲۔ حالی ، پہلا دیباچہ ، مشمولہ : **مسد س حالی** ، ص ۳۲

۳۔ الطاف حسین حالی ، **کلیات نظم حالی** ، مرتبہ : ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ، مجلس ترقی ادب ، لاہور ، ۱۹۶۸ ، ص ۸

۴۔ سلیمان ندوی (مضمون) ، مشمولہ : **مسدس حالی** ، ص ۱۳

۵۔ حالی ، عرضِ حال بہ جناب سرورِ کائناتؐ ، مشمولہ : **مسدس حالی** ، ص ۱۵۵

۶۔ رام بابو سکسینہ ، **تاریخ ادب اردو** ، غضفر اکیڈمی کراچی ، سن ن ، ص ۳۶۰

۷۔ حالی ، عرض حال ، مشمولہ : **مسدس حالی** ، ص ۱۵۶

۸۔ علی محمد خاں ، **لاہور کا دبستانِ شاعری** ، مقبول اکیڈمی لاہور ، ۱۹۹۲ ، ص ۲۶۳

۹۔ حالی ، عرض حال ، **مسد س حالی** ، ص ۱۵۹

۱۰۔ رام بابو سکسینہ ، **تاریخ ادب اردو** ، ص ۳۵۸

۱۱۔ علی محمد خاں ، **لاہور کا دبستان شاعری** ، ص ۲۶۳

۱۲۔ ضیاء الحسن ، حالی کی غزل : جدید اردو غزل کا نقش اول ، مشمولہ : **بازیافت** ، شعبہ اُردو ، اورینٹل کالج ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ، جولائی دسمبر ۲۰۱۴ء ، ص ۳۱۳

۱۳۔ تحسین فراقی ، جدید اُردو نعت گوئی ۔ ایک جائزہ ، مشمولہ : ماہ نامہ **شام و سحر** ، لاہور ، نعت نمبر (نقشِ ثانی) ، جنوری فروری ۱۹۸۲ ، ص ۱۰۶